Dr.Fehmida Tabassum

Department of Urdu,Federal Urdu University,Islam abad.

Shmali Hind mein dastan nawisi ka aaghaz aur qisa mehr afroz o dilber.
Sub ras is first allegorical urdu dastan of dakhan written by mula wajhi. after the silence of about one hundred year qisa mehr afroz o dilber come out as first urdu dastan of nothern hindostan.Qisa mehr afroz o dilber has most prominent and historical position in the world of dastan.This artical is collective study of qisa mehr afroz o dilber which describes the importacne of this dastan.

تلخیص

سب رس از ملا وجہی دکن میں لکھی جانے والی پہلی تمثیلی داستان ہے جس کے تقریباً ایک سو سال کی خاموشی کے بعد شمالی ہندوستان میں قصہ مہر افروز و دلبر کی صورت میں پہلی داستان سامنے آئی۔ ''قصہ مہر افروز و دلبر'' داستان کی دنیا میں نمایاں اور تاریخی حیثیت کی حامل داستان ہے۔ یہ مضمون اس داستان کا مجموعی مطالعہ ہے جو اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

شمالی ہند میں داستان نویسی کا آغاز اور قصہ مہر افروز و دلبر

انسانی زندگی ایک مسلسل سفر کا نام ہے، یہ سفر انسان تنہا حیثیت میں نہیں کرتا بلکہ جہاں جہاں بھی انسانی قدم پہنچے اس کی زبان، اس کی ثقافت، تہذیبی اقدار، مذہبی روایات اوعلوم وفنون نے بھی اس کے ساتھ ہجرت کی۔ وقت کے ساتھ ان روایات و رسوم میں تبدیلیاں جنم لیتی ہیں، زبان اپنا لسانی روپ نکھارتی ہے اور علوم وفنون ترقی کے زینے پر قدم رکھتے ہیں گو ان کی مبادیات میں تبدیلی نہیں ہوتی لیکن ارتقائی روپ تبدیلی کا مظہر ہوتا ہے۔

اردو نثر جو اپنی ابتداء میں دکن کے سفر پر روانہ ہوئی جب عہد اورنگ زیب عالمگیر میں واپس اپنے وطن مالوف میں آئی تو اپنے ساتھ ادبی رنگ روپ اور سنگھار بھی لائی۔ فارسی کے اثرات دھیرے دھیرے ختم ہونے لگے اور ایک نئی اور عام فہم زبان عروج پانے لگی سلطنت اورنگزیب نے جنوبی وشمالی ہند کا فرق مٹا دیا جس کی وجہ سے لسانی اور تہذیبی اقدار باہم یکجا ہونے لگیں اور اردو زبان ایک مشترکہ ذریعہ اظہار کی صورت میں سامنے آئی اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود حسن خان لکھتے ہیں:

اردو کے ارتقاء کو سب سے زیادہ مہمیز اس ربط ضبط سے ملی جو اورنگزیب کی فتوحات دکن کے بعد شاہ جہاں آباد اور دولت آباد کے درمیان ہوا۔ شہر دلی کے لوگوں کی توجہ اردو کی طرف سنجیدگی سے اس وقت منعطف ہوئی جب باشندگان دکن جوق در جوق اپنے ادبی سرمایہ کو لے کر دہلی پہنچے۔ [1]

اگرچہ اردو زبان شمالی ہند میں اپنے اثرات مرتب کر چکی تھی لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن کے بعد یہ زبان تیزی

سے عروج کی منزلیں طے کرنے لگی اور مکاتب مدارس اور کوچہ و بازار میں پھیل گئی۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے جاہ وجلال کا سورج غروب ہو گیا اور یہ عظیم الشان سلطنت طوائف الملوکی کا شکار ہو گئی۔ سلطنت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ جا بجا بغاوتوں نے سر اٹھا لیے۔ ان بغاوتوں کے نتیجے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آ گئیں جن کا مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مرکزی حکومت کے نام نہاد تخت کی خاطر وارثوں میں جو لڑائیاں چھڑیں انھوں نے مغلیہ حکومت کی رہی سہی آبرو بھی خاک میں ملا دی۔ یکے بعد دیگرے کئی وارثان تخت آئے اور تخت و تاج سے ہاتھ دھو کر چلے گئے ۱۷۱۹ء میں محمد شاہ (جسے تاریخ رنگیلے کے نام سے یاد کرتی ہے) نے عنان حکومت سنبھالی لیکن عیش و عشرت کا رسیا بادشاہ مغلیہ سلطنت کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا نہ دے سکا۔ نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

جب صدیوں پر محیط مغلیہ سلطنت کا جلالی و جمالی بت زمیں بوس ہوا تو حزن و ملال کی اسی زمین میں فنون لطیفہ اور ادبی مشاغل نے جنم لینا شروع کر دیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سیاسی انتشار ادبی اقدار کے احیا کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا یہ زمانہ ادبی فضا میں نکھار پیدا کرنے کا سبب بنا۔

اگر چہ اس دور میں مذہبی نثر کی بھی کچھ ابتدائی صورتیں سامنے آتی ہیں جن میں فضلی کی ''کربل کتھا'' (جو کاشفی کی روضۃ الشہدا کا ترجمہ ہے) اور چند دیگر مذہبی تصنیفات بھی سامنے آئیں لیکن ان کی نثری حیثیت مسلم ہونے کے باوجود انھیں ادبی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ تاہم یہ ادبی نثر کی تخلیق سے پہلے کا سازگار موسم کہی جا سکتی ہیں۔ شمالی ہند میں کہانی نویسی کی ابتدا کا سہرا بھی محمد شاہی عہد کے سر بندھتا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

محمد شاہی دور میں برعظیم کی تہذیب کا مرکزی دھارا خشک ہو گیا تھا اور وہ بند پانی کی تہذیب بن کر رہ گئی تھی۔ اس دور میں دو چیزیں مقبول تھیں: ایک چپی اور دوسری داستان اور دونوں کا مقصد سونے کے عمل کو آسان بنانا تھا۔[۲]

داستان ایک زوال پذیر تمدن کی علامت کے طور پر سامنے آئی جب افراد قوم میں قوت عمل باقی نہ رہی تو زبان و بیان نے قوت پکڑی اور فسانہ ہائے دور دراز نے ترقی کرنا شروع کر دی۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جو تلخیوں سے فرار چاہتا تھا اور کشاکش حیات کے براہ راست مقابلے سے گریزاں تھا۔ قوم کا یہ طبقہ تصور تراشنے اور تصوراتی قوت کے بل بوتے پر جنت گم گشتہ کے حصول کا خواہاں تھا اور داستان اس کے لیے سب سے معاون صنف تھی۔ اس عہد میں داستان گوئی کو حد درجہ فروغ حاصل ہوا اور بیشتر ریاستوں کے حکمران اپنے درباروں میں داستان گو ملازم رکھنے لگے جو انھیں حرف و حکایت کی دنیا میں لے جا کر عملی زندگی کی مشکلات سے نجات دلاتے اور زندگی کی سہانی تصویر ان کے سامنے پیش کرتے۔ درحقیقت وہی دور ابتلا داستان کے عروج کا دور تھا۔

شمالی ہند میں اردو کی ادبی نثر کا اولین نمونہ عیسوی خان بہادر کی تصنیف ''قصہ مہر افروز و دلبر'' کی صورت میں کم و بیش ڈھائی سو سال بعد منظر عام پر آیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق: ''یہ اردو کی قدیم ترین معلوم داستان ہے جو محمد شاہ یا احمد شاہ کے دور میں کسی وقت لکھی گئی۔''[۳] اردو کی اولین داستانوں میں شمار ہونے والی یہ داستان طویل عرصہ مشتاقان تحقیق و تنقید کی نگاہوں سے اوجھل رہی بقول ڈاکٹر مسعود حسین خان: ''قصہ مہر افروز و دلبر'' کا متن میں نے پہلی بار 1966ء

حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا تھا۔'' [۴]

۱۹۶۶ء میں شائع ہو کر منصّۂ شہود پر آنے والی اس داستان کا مخطوطہ آغا حیدر حسن صاحب نے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کو دکھایا تھا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

قصہ مہر وافروز ودلبر کا خطی نسخہ مجھے جامعہ ملیہ کی حویلی میں مخدومی آغا حیدر حسن صاحب دہلوی نے دکھلایا تھا جو ان کو حضرت فقیر محمد غنی جی کی وساطت سے ملا ہے آغا صاحب کا خیال ہے کہ اس کا مصنف عیسیٰ خان جہانگیر ابن اکبر کا معاصر ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ قصہ اتنا قدیم نہیں غالباً شاہ عالم کے ابتدائی دور میں لکھا گیا ہوگا۔ [۵]

ڈاکٹر مسعود حسین خان کے بقول آغا حیدر حسن کو حضرت سید علی شاہ قادری دہلوی ثم الگوالیاری ''حضرت جی'' کی درگاہ سے حاصل ہوا تھا جسے ۱۹۲۰ء میں محمد غنی حضرت جی نے انھیں نذر کیا تھا ان کا خیال ہے کہ:

قصہ مہر افروز ودلبر غالباً اردو کی قدیم ترین داستان ہے جس کا واحد نسخہ آغا حیدر حسن صاحب (حیدرآباد دکن) کے ذاتی کتب خانے کی زینت ہے اس کے سرورق پر مصنف کے نام کی نشان دہی ''عیسوی خان بہادر'' کی گئی ہے۔ لفظ ''بہادر'' جلد ساز نے کاغذ کی چپی سے دبا دیا ہے لیکن روشنی کی جانب دیکھنے سے صاف پڑھا جاتا ہے۔ [۶]

قصہ مہر افروز ودلبر کے حقیقی سنہ تصنیف کے بارے میں کسی محقق نے وثوق سے کوئی دعویٰ نہیں کیا البتہ زبان و بیان اور قصے کی داخلی فضا سے ملنے والے آثار وشواہد کی بدولت اسے اردو کی قدیم ترین طبع زاد داستانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس قصہ کا کوئی دوسرا مخطوطہ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرورق پر ''عیسوی خان بہادر'' بظاہر کاتب کا لکھا ہوا معلوم نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے شخص کی تحریر ہے۔ لیکن اس کے باوجود معلوم شہادتوں کی بنیاد پر اسے عیسوی خان بہادر کی تصنیف ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر کبھی اس قصے کا کوئی دوسرا مخطوطہ برآمد ہو گیا تو اس قصے سے متعلق تحقیقی الجھنیں دور ہونے کے امکانات موجود ہیں، لیکن فی الوقت ''ایں خیال است ومحال است وجنوں''۔ عیسوی خان بہادر کون بزرگوار تھے ؟ اس کے متعلق کوئی بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔

پروفیسر مسعود حسین خان صاحب نے بھی مختلف آراء سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں قصہ مہر افروز ودلبر کے مصنف کے بارے میں کسی حتمی رائے سے انکار کیا ہے:

عہد شاہ جہانی سے لے کر شاہ عالم ثانی کے عہد تک عیسیٰ خان، موسیٰ خان، موسوی خان ایک سے زیادہ امرا اور وسا کے نام ملتے ہیں لیکن ان میں کسی کا نام عیسوی خان نہیں ملتا اور ان میں سے کوئی اردو کا صاحب تصنیف نہیں بتایا گیا ہے۔ غرض کہ اس نادر داستان کے نہ تو مصنف کے بارے میں صحیح علم ہو سکا اور نہ اس کی سنہ تصنیف یا کتابت کی تصدیق موجود ہے۔ [۷]

عیسوی خان بہادر کے بارے میں ڈاکٹر مسعود حسین خان نے محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آب حیات'' اور فرحت اللہ بیگ کے مضامین فرحت کے حوالے سے عیسیٰ خان اور موسیٰ خان کے خاندانوں میں ''عیسوی خان بہادر'' کی تلاش کی لیکن اس پر بھی محققین میں اختلافات موجود ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند اس بارے میں رقم طراز ہیں:

آب حیات اور مضامین فرحت حصہ ششم میں موسیٰ خان اور عیسیٰ خان دو بھائیوں کا تذکرہ ہے، یہ ایک خطاب تھا جو نسلاً بعد نسلاً اس خاندان میں منتقل ہوتا رہا، ڈاکٹر مسعود حسین عیسوی خان اور عیسیٰ خان کی یہ مطابقت تسلیم کرنے کی طرف مائل ہیں، لیکن

میرے نزدیک عیسوی خان کو عیسیٰ خان قرار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔ [۸]

قصے کی داخلی و خارجی شہادتیں مختلف آرا قائم کرنے کی سمتیں تو متعین کرتی ہیں لیکن ان سے مصنف کے بارے میں کوئی قطعی بات وثوق سے کہے جانے کی گنجائش نہیں بنتی۔ محض اندازہ لگایا جاسکتا ہے ممکن ہے بعض اندازے قرین حقیقت ہوں لیکن ایسا کوئی مصدقہ ثبوت موجود نہیں جو ان اندازوں کو برحق ثابت کر سکے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان نے ڈاکٹر پرکاش مونس کے تحقیقی مقالے کا حوالہ دیا ہے ڈاکٹر پرکاش لکھتے ہیں:

اہل اردو کے لیے عیسوی خاں بھلے ہی چیستانی شخصیت ہو لیکن ہندی میں وہ ایک جانے مانے ادیب ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ ہندی کا ادیب نواب عیسوی خان ہی قصہ مہر افروز و دلبر کا مصنف ہے۔ یہ بہاری ست سئی، کے دوہوں کی ایک ٹیکا (شرح) 'رس چندرکا' کا مصنف ہے۔ [۹]

اگر چہ ڈاکٹر مسعود حسین خان کے مطابق ڈاکٹر پرکاش مونس اور ڈاکٹر گیان چند دونوں نے ٹیکم گڑھ والی رس چندرکا کی اردو شرح کو نہیں دیکھا، اس لیے ان کا بیان معتبر نہیں ہے۔ اس طرح قصے کی اردو نثر کے بارے میں گومگو کی کیفیت ہے۔ لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے ڈاکٹر پرکاش مونس کی تحقیق کو سند اعتبار عطا کرتے ہوئے لکھا ہے:

جیسے قصہ مہر افروز و دلبر کو دریافت کرنے کا سہرا مسعود حسین خان کے سر ہے اسی طرح عیسوی خان کو دریافت کرنے کا سہرا ڈاکٹر پرکاش مونس کے سر ہے۔ عیسوی خان کی شخصیت اور زمانے کے یقین کے بعد یہ اردو زبان کی قدیم ترین داستان قرار پاتی ہے [۱۰]۔

اسی طرح داستان کے مصنف کی جائے قیام اور عہد کے بارے میں کچھ داخلی و خارجی اشارے ہیں لیکن شواہد پر مکمل بھروسا نہیں کیا جاسکتا، مثلاً قصے میں لال قلعے کی دو عمارتوں اور مہتاب باغ و ساون اور بھادوں نامی جگہوں کا ذکر ملتا ہے نیز ایک فارسی شعر کی اردو تشریح جو خود عیسوی خان نے کی ہے۔ اس کے حوالے سے یہ قصہ دلی کی فضاؤں کی عکاسی کرتا ہے اور عیسوی خان کا دلی سے متعلق ہونا ظاہر کرتا ہے مثلاً

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

کو عیسوی خان نے اردو نثر میں یوں بیان کیا ہے: ''یہ جو سیر کرتے ہیں سو کہتے ہیں کہ بہشت جو روئے زمیں پہ سنا ہے سو یہی ہے۔'' [۱۱]

لیکن مسعود حسین خان سے اختلاف کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

داستان کی بعض عمارتوں اور باغوں کی تفصیلات کی بنا پر مرتب نے طے کیا ہے کہ مصنف دہلی کا باشندہ تھا، میرا خیال ہے کہ وہ اصلاً مغربی اتر پردیش کا رہنے والا تھا، جو بعد میں دہلی چلا گیا ہوگا، اس کی زبان پر برج کا شدید اثر ہے۔ [۱۲]

مسعود حسین خان نے کچھ شہادتوں کی بنا پر مصنف قصہ کے دہلوی ہونے کا دعویٰ ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح گیان چند بھی محض شبے کی بنا پر داستان کے مصنف کو اتر پردیش کا باسی ٹھہرا رہے ہیں، جب کہ وثوق سے کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح عیسوی خان کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون تھے؟ اور کہاں سے تعلق رکھتے تھے؟ اسی طرح قصے کی مجموعی فضا

سے بھی حتمی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ قصہ کس عہد کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے زبان کے حوالے سے لکھا ہے: ''زبان کی قدامت کے پیش نظر اس داستان کو اٹھارویں صدی میں ہی رکھ سکتے ہیں اس لیے ہمارا حصار ۱۷۱۲ء تا ۱۷۵۹ء تک محدود ہو جاتا ہے۔'' ۱۳

تاہم اب تک کی تحقیقات کے مطابق قصے کے بارے میں کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک قدیم داستان ہے اور اس کی زبان پر کھڑی بولی، ہندی اور فارسی کی چھاپ بھی نظر آتی ہے لیکن ہندی کے اثرات غالب ہیں۔ یہ ایسا ادبی چلن ہے جو محمد شاہی دور میں عام ہو رہا تھا اور زبان نئے اسلوب سے آشنا ہو رہی تھی۔

قصہ مہر افروز و دلبر کے مصنف، زمانہ تصنیف اور اسلوب نگارش پر بحث کی گنجائش موجود سہی لیکن اس قصے کی دریافت کی صورت میں اردو ادب کے ذخیرے میں ایک گوہر بے بہا کا اضافہ ہوا ہے اور اس کی دریافت بذات خود ایک کارنامہ ہے۔ اس قصے کے منظر عام پر آنے سے اردو کا بدلتا ہوا رنگ و روپ سامنے آتا ہے اور زبان کی نسبتاً نکھری ہوئی صورت حال اسے ''سب رس'' کے مقابلے میں ترقی یافتہ ثابت کرتی ہے۔ اگرچہ کسی حد تک اس داستان پر بھی تمثیل کے سائے نظر آتے ہیں مثلاً ملک کا نام عشق آباد، بادشاہ کا نام عادل شاہ، وزیر جہاں دانش، فقیر آرزو بخش، وزیر زادہ نیک اندیش اور پری کا نام خورشید بانو ہے وغیرہ۔

اس داستان کی زبان عام فہم ہے اور قصہ رواں و سلیس انداز بیان کا حامل ہے۔ مصنف کی اپنے عہد کی معاشرت اور رسوم و روایات پر گہری نظر ہے۔ وہ ایک اچھا جزئیات نگار ہے جو مرقع کشی میں مہارت رکھتا ہے۔ داستان کا پلاٹ عام داستانوں کی طرح ہے جس میں ایک مرکزی قصہ اور ضمنی کہانیاں ہیں داستان کے خاتمے پر ''نصیحت نامے'' کا آغاز ہوتا ہے۔

شمالی ہند میں دریافت ہونے والی یہ داستان اپنے عہد کی معاشرت کا حسین مرقع ہے جس سے اس دور کی معاشرت اور رہن سہن کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ قصے کا مصنف قادر الکلام ہے اور بات سے بات پیدا کرنے کا فن جانتا ہے۔ حسن محبوب کی تصویر گری میں اسے مہارت حاصل ہے۔ قصے کے کردار ہماری نظروں کے سامنے پوری طرح اجاگر ہوتے ہیں۔ گو کہ بعض دفعہ کسی بیان کی طوالت ناگوار محسوس ہوتی ہے لیکن یہ اس دور کی بات ہے جب تحریر کے سانچے نہیں بنے تھے اور آزاد روصنف سخن اظہار کے مختلف قالبے اپنا رہی تھی۔ قصہ مہر افروز و دلبر کے بارے میں ڈاکٹر شاہد حسین تبصرہ کرتے ہیں۔: ''قصہ مہر افروز و دلبر اردو میں داستان نگاری کی تاریخ ارتقاء سے تعلق رکھنے والی ایک نہایت اہم ادبی دستاویز اور تاریخی تصنیف ہے'' ۱۴

قصہ مہر افروز و دلبر اردو زبان میں سادگی اور لطافت کا ایک شاہ کار ہے۔ اگرچہ بول چال کی زبان استعمال کی گئی ہے کہیں کہیں ناہمواری کا احساس بھی ملتا ہے لیکن سادہ نگارش کا یہ انداز عام فہم بھی ہے جو قصے کے ابلاغ کے لیے ضروری عنصر ہوتا ہے۔ قصے کا مصنف منظر کشی میں بھی کمال رکھتا ہے اور منظر کے ہر گوشے کو صراحت سے بیان کرتا ہے۔ قصہ مہر افروز و دلبر کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شہناز انجم لکھتی ہیں: ''زبان و بیان کے اعتبار سے یہ اردو نثر کی اہم داستان ہے جو شمالی ہند میں نثری ادب کے ارتقا کو واضح طور پر پیش کرتی ہے'' ۱۵

قصہ مہر افروز و دلبر کی ادبی حیثیت اس کے پس منظر کے مقابلے میں شک و شبے سے بالاتر ہے دراصل یہ ایک ایسا ادبی شاہ کار ہے جس کو شمالی ہند میں اردو داستان نگاری کا باب اول کہا جا سکتا ہے اور یہی مقام و مرتبہ اسے دوام حقیقی بخشنے کے لیے کافی

حوالہ جات

۱۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر: ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، صفحہ نمبر ۱۸۶ تا ۱۸۷

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ''تاریخ ادب اردو'' جلد دوم، حصہ اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع سوم مارچ ۱۹۹۴ء، صفحہ نمبر ۱۰۸۲

۳۔ _____ ایضاً _____ صفحہ نمبر ۱۰۸۲

۴۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر: ''مرتب: قصہ مہر افروز و دلبر'' از عیسوی خان بہادر، انجمن ترقی اردو (ہند) بار دوم ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۷

۵۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر: بحوالہ عابدہ بیگم، ڈاکٹر ''اردو نثر کا ارتقا'' ثمر آفسٹ پریس، دریا گنج، نئی دلی ۱۱۰۰۰۲، نقش اول دسمبر ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۳۴

۶۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر: پیش نامہ ''قصہ مہر افروز و دلبر''، صفحہ نمبر ۱۲

۷۔ _____ ایضاً _____ صفحہ نمبر ۱۴

۸۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''اردو کی نثری داستانیں''، انجمن ترقی اردو، کراچی، اشاعت ثانی ۱۹۶۹ء صفحہ نمبر ۲۳ ۷

۹۔ پرکاش مونس، ڈاکٹر: ''اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر''، بحوالہ مسعود حسین خان، ڈاکٹر، قصہ مہر افروز و دلبر (طبع ثانی) صفحہ نمبر ۹

۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ''تاریخ ادب اردو'' جلد دوم حصہ اول، صفحہ نمبر ۱۰۸۶

۱۱۔ عیسوی خان بہادر: ''قصہ مہر افروز و دلبر''، صفحہ نمبر ۴۹ تا ۵۰

۱۲۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''اردو کی نثری داستانیں''، صفحہ نمبر ۲۳ ۷ تا ۲۴ ۷

۱۳۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''اردو کی نثری داستانیں''، صفحہ نمبر ۲۴ ۷

۱۴۔ شاہد حسین، ڈاکٹر: ''قصہ مہر افروز و دلبر، تنقیدی و تہذیبی جائزہ'' شاہد پبلی کیشنز، نئی دلی، اشاعت اول اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر ۱۷

۱۵۔ شہناز انجم، ڈاکٹر: ''ادبی نثر کا ارتقا'' ۱۷۴۷، فرسٹ فلور، میر جملہ لین، لال کنواں، دہلی، ۱۱۰۰۰۶، اشاعت اول اکتوبر ۱۹۸۵ء، صفحہ نمبر ۱۲